بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

افسوس ہے ڈاکٹر ذاکر حسین بھی ہم سے جدا ہو گئے۔ وہ ہماری قومی تعلیم کے معمار اولین، اس ملک میں سیکولرزم کی آبرو اور جمہوریت کا وقار تھے۔ ان کی وفات سے ہماری قومی زندگی میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی تلافی عرصے تک نہ ہو سکے گی۔ کم وبیش بہتر سال کی عمر پائی۔ ۳ مئی کی صبح کو اچھے خاصے تندرست اٹھے، حسب معمول فجر کی نماز ادا کی۔ اس سے فارغ ہو کر کچھ مطالعہ کیا اخبارات پڑھے۔ پھر ہلکا پھلکا ناشتہ کیا۔ یہ سب کرتے کراتے گیارہ بجے کا عمل ہو چکا تھا اور وہ روزانہ معمول کے مطابق طبی امتحان کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ اچانک دل کا دورہ پڑا۔ ایک سے ایک قابل ڈاکٹر موجود تھے ہی۔ فوراً اپنی جیسی ساری تدبیریں کر ڈالیں لیکن وقتِ موعود آپہنچا تھا۔ اس کے سامنے کچھ پیش نہ چلی اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی قومی زندگی کے دو دور ہیں، ایک جامعہ کے ساتھ وابستگی سے لے کر تقسیم تک، اور دوسرا اس کے بعد سے وفات تک۔ پہلے دور میں جو ایک ربع صدی پر پھیلا ہوا ہے مرحوم کا کردار ایک ہیرو، نہایت حوصلہ مند جرنل اور عظیم الشان رہنما کا کردار رہا ہے۔ انھوں نے جرمنی سے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی تھی۔ اس کے علاوہ تعلیم بھی ان کا خاص مضمون رہا تھا۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں تقریر وتحریر کا ملکہ اور سلیقہ خداداد تھا۔ غرض کہ علمی اور فنی حیثیت سے ان کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کے باعث وہ شہرت، عشرت اور راحت کی زندگی بڑی آسانی سے بسر کر سکتے تھے لیکن انھوں نے محنت ومشقت اور عسرت کی زندگی اختیار کی۔ ابھی جرمنی میں تھے کہ انھیں معلوم ہوا کہ مولانا محمد علی مرحوم وغیرہ نے جو جامعہ ۱۹۲۰ء میں قائم کی تھی وہ مالی پریشانیوں

کی صید زبوں ہے اور اس کو بند کر دینے کے منصوبے ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی تعلیم ختم کر چکے تھے انہیں اس کا علم ہوا تو فوراً کہلا بھیجا کہ جامعہ کو ہرگز بند نہ کیا جائے اور وہ عنقریب ہندوستان پہنچ کر ایک نہایت قلیل مشاہرہ پر اپنے آپ کو مع اور دو تین رفیقوں کے جامعہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گے۔ انھوں نے جو کچھ کہا تھا اور جس کا عہد کیا تھا وہ کر کے دکھا دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ دورِ حیات ایک اعلیٰ مقصد کے لیے غیر معمولی ایثار و فداکاری، حیرت انگیز عزم و ہمت اور جذبہ عمل اور سخت ترین دشواریوں کے باوجود مسلسل جد و جہد کا دور ہے۔ اس زمانے میں جامعہ دلّی کے علاقہ قرول باغ میں کرایہ کے چند مکانوں میں قائم تھی۔ اس کی سند کو حکومت میں کوئی اعتبار حاصل نہیں تھا۔ ڈاکٹر صاحب اسی علاقے کے ایک چھوٹے سے مکان میں جس کا کرایہ پندرہ روپیہ ماہوار تھا، رہتے اور صرف پچھتّر روپیہ ماہوار تنخواہ لیتے تھے۔ زندگی بیحد سادہ اور معمولی تھی۔ اس دور میں ان کو بارہا سخت حوصلہ شکن حالات و حوادث کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہمّت کبھی نہیں ہاری اور طوفانوں کا مقابلہ کمال پامردی اور استقامت کے ساتھ کرتے رہے۔ بے شبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ملک کی ایک نہایت اہم اور عظیم الشان یونیورسٹی کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کی تعمیری جد و جہد کا ایک ایسا شاہکار ہے جو تاریخ کے صفحات میں ان کا نام ہمیشہ روشن رکھے گا اور دنیا ان کو ایک عظیم انسان کی حیثیت سے یاد کرے گی۔

مرحوم کی زندگی کا دوسرا دور، جو تقسیم کے کچھ دنوں بعد سے شروع ہوتا ہے اس میں وہ پہلے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ مرحوم کو جامعہ سے جو محبت تھی اور جس کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کے بہترین ماہ و سال قربان کر دیئے تھے اس کے پیشِ نظر ان کے لیے جامعہ کو چھوڑ دینا کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا تھا لیکن تقسیم کے باعث یہاں کے مسلمانوں اور ان کے اداروں کے لیے جو حالات غیر متوقع طور پر پیدا ہو گئے تھے ان سے علی گڑھ کا متاثر ہونا ناگزیر تھا، اس بنا پر مرحوم نے وقت کا ایک ضروری مطالبہ سمجھ کر گورنمنٹ کی طرف سے علی گڑھ کی پیشکش کو قبول کر لیا گویا اب تک انھوں نے جامعہ کے لیے اپنی ہر چیز قربان کی تھی لیکن اب وقت آگیا تھا کہ وہ کسی اور چیز کے لیے جامعہ کو قربان کر دیں۔ علی گڑھ میں وائس چانسلری کے بعد وہ بہار کے گورنر ہوئے۔ پھر نائب صدر اور اس کے بعد صدر۔

جامعہ سے تعلق کے زمانے میں مرحوم کی زندگی ایک خالص عوامی زندگی تھی۔ جامعہ سے ان کا رشتہ ٹوٹا تو وہ عوامی زندگی سے دور ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آخری بارہ برس میں تو ان کا عوام سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ ایک انسان جب کسی ذمہ دار عہدے پر ہوتا ہے تو کچھ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں اور کچھ ناراض۔ اس بنا پر اس کے خلاف کچھ نہ کچھ شکایتوں کا ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ یہ شکایات ڈاکٹر صاحب سے ہوئیں۔ لیکن یہ شکایات بجا ہوں یا بیجا۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مرحوم کی شخصیت بڑی پُر وقار و پُر عظمت تھی۔ وہ بھاری بھر کم ہونے کے ساتھ دلکش اور جاذب بھی تھی۔ قدرت نے ان کو حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کے جوہر سے بھی اس طرح نوازا تھا کہ ان کی شخصیت میں مقناطیسیت کی خاصیت پیدا ہوگئی تھی۔ شرافتِ نفس۔ مروت اور شگفتہ طبعی اُن کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ علم و فضل، ذہانت و ذکاوت اور جودتِ فکر کے ساتھ شیریں گفتاری کا یہ عالم تھا کہ بات کرتے تو مُنہ سے پھول برستے تھے۔ خندہ رو اور فرخندہ جبینی ان کی فطرت تھی۔ ان کو قدرت نے اس دنیا میں وہ سب کچھ دیا جو اہلِ دنیا کے لیے زیادہ سے زیادہ سرمایۂ فخر و ناز ہوسکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دل کے غنی دنیوی تکلفات و تعیشات سے بالکل بے پروا اور اسی طرح سچ مچ صوفی اور درویش صفت انسان تھے۔ ان کی طبیعت میں خاکساری، وضعداری، انسانیت نوازی اور عام محبت و ہمدردی کا جو جذبہ تھا۔ صدارت کے زمانے میں بھی اس میں فرق نہیں آیا۔ وہ وقت سے لڑ بھی سکتے تھے اور اس سے سمجھوتہ بھی کر سکتے تھے۔ ان کی زندگی کا پہلا دور ان کی پہلی استعداد و صلاحیت کا مظہر ہے اور دوسرا یعنی آخری دور دوسری صفت کا۔ اللھم اغفرلہٗ وارحمہ